

## جیب کفن

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر  
ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز  
(غالب)

جی چاہتا ہے آج آپ سے اپنی تحریریں پڑھنے والوں سے تمام ”مقدمائی اور  
دیبا جانی“ تکلفات برطرف رکھ کے باتیں کروں یوں تو میرے افسانوں،  
ڈراموں اور نیم افسانوی مضمونوں میں بھی اکثر ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کا تعلق  
براہ راست دل و دماغ کے اس خانے سے ہوتا ہے جو عام طور پر انسان کی اپنی  
ذات کے لیے مخصوص ہوتا ہے لیکن ان پر چوکھٹا چونکہ افسانے کا ہوتا ہے اس لیے  
آپ انہیں اسی شکل میں دیکھتے رہے ہیں۔

آج میرا دل بہت افسردہ ہے ایک عجیب سا اضطراب اس پر چھایا ہوا ہے چار  
ساڑھے چار برس پہلے جب میں نے اپنے دوسرے وطن بمبئی کو خیر باد کہی تھی تو  
میرا دل اسی طرح مغموم تھا مجھے وہ جگہ چھوڑنے کا صدمہ تھا جہاں میں نے اپنی  
زندگی کے بڑے پر مشقت دن گزارے تھے اس خطہ زمین نے مجھ ایسے آوارہ اور  
خاندان کے دھتکارے ہوئے انسان کو اپنے دامن میں جگہ دی تھی اس نے مجھ  
سے کہا تھا تم یہاں دو پیسے روزانہ پر بھی خوش رہ سکتے ہو اور دس ہزار روپے روزانہ  
پر بھی اگر تم چاہو تو دونوں صورتوں میں دنیا کے مغموم ترین انسان کی زندگی بسر کر  
سکتے ہو یہاں تم جو چاہو کرو تمہاری عیب جوئی کوئی نہیں کرے گا یہاں تمہیں کوئی

ناصح بھی نہیں ملے گا ہر کٹھن کام تمہیں خود کرنا ہو گا اپنی زندگی کا ہر اہم فیصلہ تمہیں خود ہی کرنا پڑے گا تم فٹ پا تھ پر رہو یا کسی عالیشان محل میں اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں تم جاؤ یا رہو مجھے اس سے کوئی فرق محسوس نہیں ہو گا میں جہاں ہوں موجود ہوں اور موجود رہوں گی۔

یہاں بارہ برس رہنے کے بعد جو کچھ میں نے سیکھا یہ اسی کا باعث ہے کہ میں یہاں پاکستان میں موجود ہوں یہاں سے کہیں اور چلا گیا تو وہاں بھی موجود رہوں گا میں چلتا پھرتا بمبئی ہوں جہاں بھی قیام کروں گا وہیں میرا اپنا جہان آباد ہو جائے گا۔

بمبئی چھوڑنے کے بعد میں افسردہ تھا میرے وہاں دوست تھے جن کی دوستی پر مجھے ناز ہے، وہاں میری شادی ہوئی، وہیں میرا پہلا بچہ ہوا دوسرے نے بھی اپنی زندگی کا پہلا دن وہیں شروع کیا میں نے وہاں چند روپوں سے لے کر ہزاروں اور لاکھوں تک کمائے اور خرچ کیے مجھے اس سے محبت تھی اور آج بھی ہے۔

ملک کے ہٹارے سے جو انقلاب برپا ہوا اس سے میں ایک عرصے تک باغی رہا اور اب بھی ہوں لیکن بعد میں اس خوفناک حقیقت کو میں نے تسلیم کر لیا مگر اس طرح کہ مایوسی کو میں نے اپنے پاس تک نہ آنے دیا۔

میں نے اس خون کے سمندر میں غوطہ لگایا جو انسان نے انسان کی رگوں سے بہایا تھا اور چند موتی چن کر لایا، عرق انفعال کے، مشقت کے جو اس نے اپنے بھائی کے خون کا آخری قطرہ بہانے میں صرف کی تھی ان آنسوؤں کے جو اس جھنجھلاہٹ میں کچھ انسانوں کی آنکھوں سے نکلے تھے کہ وہ اپنی انسانیت کیوں ختم

نہیں کر سکے۔۔۔۔۔ یہ موتی میں نے اپنی کتاب ”سیاہ حاشیے میں پیش کیے۔“

میں انسان ہوں، وہی انسان جس نے انسانیت کی عصمت دری کی تھی جس نے فنا کو بادہ ہر جام بنایا تھا جس نے دوسری اجناس کی طرح انسان کے گوشت پوست کو دکانوں میں سجا سجا کر بیچا تھا میں وہی انسان ہوں جس نے پیغمبری کا رتبہ حاصل کیا اور میں وہی انسان ہوں جس نے پیغمبروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔۔۔۔۔ مجھ میں وہ تمام کمزوریاں اور خوبیاں موجود ہیں جو دوسرے انسانوں میں ہیں یقین مانئے کہ مجھے اس وقت دکھ ہوا بہت بڑا دکھ جب میرے چند معصروں نے میری اس کوشش کا مضحکہ اڑایا، مجھے لطیفہ باز، یا وہ گو، سبکی، نا معقول اور رجعت پسند کہا گیا۔ میرے ایک عزیز دوست نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے لاشوں کی جیبوں میں سے سگریٹ کے ٹکڑے، انگوٹھیاں اور اسی قسم کی دوسری چیزیں نکال نکال کر جمع کی ہیں اس عزیز نے میرے نام ایک کھلی چٹھی بھی شائع کی جو وہ بڑی آسانی سے مجھے خود دے سکتے تھے۔ اس میں بھی انہوں نے ”سیاہ حاشیے“ کی تضحیک میں کھلے طور پر قلم کاری کی۔

میں انسان ہوں مجھے غصہ آیا میں نے اس عالم میں اس کیچڑ کے جواب میں ایسی کیچڑ تیار کی جو بہت دیر تک میرے نام نہاد نقادوں کے چہروں پر جمی رہتی لیکن میں نے سوچا اور محسوس کیا کہ ایسا کرنا غلطی ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا انسان کی خصلت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن خاموش رہنا اس کی دانشمندی ہے اس کا تحمل ہے اس کی بردباری ہے۔

مجھے غصہ تھا اس کا نہیں کہ الف نے مجھے کیوں غلط سمجھا مجھے غصہ تھا اس بات کا

کہ الف نے محض فیشن کے طور پر ایک سقیم و عقیم تحریک کی انگلی پکڑ کر بیرونی سیاست کے مصنوعی ابرو کے اشارے پر میری نیت پر شک کیا اور مجھے اس کسوٹی پر پرکھا۔ جس پر صرف ”سرخی“ ہی سونا تھی۔

مجھے غصہ تھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کیسے ترقی پسند ہیں جو تنزل کی طرف جاتے ہیں یہ ان کی سرخی کیسی ہے جو سیاہی کی طرف دوڑتی ہے یہ ان کی مزدور دوستی کیا ہے جو مزدور کو پسینہ بہانے سے پہلے ہی مزدوری کے مطالبے پر اکسارہی ہے یہ ان کی سرمائے کے خلاف محنت کی مبارزت کس قسم کی ہے کہ یہ خود سرمائے سے مسلح ہونا چاہتے ہیں اور اپنے محبوب ہتھیار روانتی اور ہتھوڑا اپنے مخالفوں کے ہاتھ میں دے رہے ہیں یہ ان کا ادب میں کس قسم کا اجتہاد ہے کہ غزل کو مشین اور مشین کو غزل بنانے کے منصوبے سوچے جا رہے ہیں۔

مجھے غصہ تھا ان کے آئے ان کے منشوروں پر، ان کی طویل طویل قراردادوں پر، ان کے مختلف بیانون پر جن کا مسالہ براہ راست روس کے کریملن سے بمبئی کی کھیت واڑی میں آتا تھا اور وہاں سے میکلوڈ روڈ پہنچتا تھا روس کے فلاں شاعر نے یہ کہا ہے روس کے فلاں افسانہ نگار کا یہ بیان ہے روس کے فلاں دانشور نے یہ دانشمندانہ بات کہی ہے مجھے غصہ آتا تھا یہ لوگ اس خطہ ارض کی بات کیوں نہیں کرتے، جس پر کہ خود سانس لیتے ہیں اگر ہم نے دانش ور پیدا کرنے بند کر دیئے ہیں تو اس بانجھ پن کا علاج کیا سرخ تخم ریزی ہی باقی رہ گیا ہے۔

مجھے غصہ تھا اس لیے کہ میری بات کوئی بھی نہیں سنتا تھا تقسیم ملک کے بعد ملک میں افراط و تفریط کا عالم تھا جس طرح لوگ مکان اور ملیں الاٹ کر رہے تھے اسی

طرح وہ بلند مقاموں پر بھی قبضہ کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے کوئی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچتا تھا کہ اتنے بڑے انقلاب کے بعد حالات وہ نہیں رہیں گے جو پہلے تھے پرانی پگڈنڈیاں بڑی سرکیں بنیں گی یا ان کا وجود ہی مٹ جائے گا اس کے متعلق وثوق سے اس وقت کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا غیر کی حکومت اور اپنوں کی حکومت میں کیا فرق ہو گا اس کے بارے میں بھی حتمی طور پر کوئی قیاس آرائی نہیں ہو سکتی تھی فضا کیسی ہوگی۔۔۔۔ اور اس میں خیالات و احساسات کی صحیح نشوونما کیونکر ہوگی۔ ریاست اور حکومت سے فرد اور جماعت کا رشتہ کیسا ہو گا یہ ایسی باتیں تھیں جن پر انتہائی غور و فکر کی ضرورت تھی یہ کام ایسا تھا جس میں ہمیں بیرونی نسخوں پر عمل نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ ہمارے نام نہاد دانشوروں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا اور قیادت کے شوق میں اپنا نیم رس جو ہر پیال میں ڈال دیا۔ جہاں وہ عدم نگہداشت کے باعث گلے سر نہ لگا۔

ادب کے ان ترقی پسند ٹھیکے داروں نے پہلے فیصلہ کیا کہ ان کی جماعت کا کوئی رکن سرکاری پرچے میں کام کرے گا نہ اس کے لیے لکھے گا میں نے اس کی مخالفت کی اور ان کو سمجھایا کہ یہ اقدام صریحاً غلط ہے غلط ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز ہے اس لیے کہ یہ فیصلہ اس احتمال پر چغلی کھاتا تھا جو ترقی پسند مصنفین کی جماعت کو اپنے ارکان کی غیر ثابت قدمی کے متعلق تھا یا ہو سکتا تھا اس کے علاوہ ایسا فیصلہ تو فریق مخالف کی طرف سے ہونا چاہیے تھا لیکن میں اسے بھی بے ہودہ قرار دیتا کیونکہ کوئی بھی سرکار صرف وہی چیز منتخب کرے گی، جو اس کی منشاء کے مطابق ہو۔

ہماری سرکار نے بھی چنانچہ یہی مضحکہ خیز بات کی مگر کچھ دیر کے بعد، جب کہ



ترقی پسند اپنی عدم تعاون کی قرار داد کا ڈھول کافی اونچے سروں میں پیٹ چکے تھے۔ ریڈیو کی نشریات اور سرکاری پرچوں کے اوراق ترقی پسندوں کے افکار کے لیے بند کر دیئے گئے۔ بعد میں کچھ ترقی پسند ”امرت ادھارا ایکٹ“ کے تحت جیل میں ٹھونس دیئے گئے حکومت حماقت کا دوسرا نام ہے اس لیے جو حماقتیں پے در پے اس سے ترقی پسندوں کو خاموش کرنے کے سلسلے میں سرزد ہوئیں میں ان پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔

مجھے افسوس ہے کہ احمد ندیم قاسمی اور ظہیر کاشمیری وغیرہ جو بڑے بے ضرر قسم کے انسان ہیں جن کی دماغی اور جسمانی ساخت لفظ سازش کے صحیح معنوں کی متحمل نہیں ہو سکتی بیکار جیل میں ڈالے گئے ایک کو بھائی بنانے کا شوق ہے دوسرے کو بہنیں معلوم نہیں دونوں کے اس معصوم شغل میں سیاسی رد عمل کی شرارت حکومت کو کہاں سے نظر آگئی۔

غصے میں آ کر بغیر سوچے سمجھے حکومت نے ان لوگوں کو جیل میں ڈال دیا۔ ایسے نائی کے سپرد کر دیا گیا جو ان کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے گا کچھ دیر کے بعد جب یہ رہا ہو کر آئیں گے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کس قسم کی مخلوق ہوں گے، ہر سے پاؤں تک منڈے ہوں گے، یا ان پر بال ہی بال ہوں گے۔ غازی کہلائیں گے یا شہید، ایڈر بن جائیں گے یا بازار میں مجمعے لگا کر دوائیاں بچیں گے۔ شاعری اور افسانہ نگاری سے توبہ کر لیں گے یا اس پر مردسمہ پا کی طرح سوار ہو جائیں گے اس میں تضحیک کا کوئی پہلو نہیں اگر مجھے جیل میں ٹھونسا جاتا تو میں اپنے متعلق بھی یہی کہتا بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔۔۔۔۔ اس لیے کہ میں بہت ذکی الحس ہوں۔

حکومت اور ترقی پسند مصنفین کی جماعت دونوں احساس کمتری کا شکار ہوئے۔ مجھے اس کا افسوس تھا اور اب بھی ہے زیادہ افسوس ترقی پسندوں کا تھا جنہوں نے خواہ مخواہ سیاست کے پھٹے میں اپنی ٹانگ اڑائی۔ ادب اور سیاست کا جو شاندار تیار کرنے والے یہ عطائی کریملن کے تجویز کردہ نسخے پر عمل کر رہے تھے مریض جس کے لیے یہ جو شاندار بنایا جا رہا تھا اس کا مزاج کیسا ہے اس کی نبض کیسی ہے اس کے متعلق کسی نے غور نہ کیا نتیجہ جو ہوا وہ آپ کے سامنے ہے کہ آج سب ادب کے جمود کا رونا رو رہے ہیں۔

میرا دل آج بہت افسردہ ہے کہ وہ پرچے جو ترقی پسند مصنفین کی جماعت کے نمائندے تھے انہیں اپنے ناخداؤں کے ساتھ کئی الٹی سیدھی زقندیں لگانا پڑیں اور آخر میں اپنے تمام مشوروں اپنے تمام بیانوں اور اپنی تمام قراردادوں کو کاغذوں پر سے کھرچنا پڑا اور ان ادیبوں کا دوبارہ تعاون حاصل کرنے کے لیے کئی تاویلیں اور کئی معذرتیں پیش کرنا پڑیں جن کو یہ اپنی سیاہ فہرست میں داخل کر چکے تھے اور اپنی طرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون و مطعون قرار دے چکے تھے۔

میرا دل آج بہت افسردہ ہے جب میں سرکار سے عدم تعاون کا فیصلہ کرنے والوں کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرتے دیکھتا ہوں انہوں نے کیوں نہ سوچا کہ انسان کی جدوجہد کے وسیع دائرے میں سب سے اہم جدوجہد پیٹ کی ہے ہماری ہمت مردانہ یزداں پر کمند ڈال سکتی ہے، ہمارے جنون کے دشت میں جبریل ایک زبوں صید ہو سکتا ہے، گو یہ چھپی ہوئی حقیقت نہیں کہ ہمیں پیٹ کی خاطر بعض اوقات کسی الو کے چٹھے نواب کی مدح سرائی بھی کرنا پڑتی ہے یہ انسان کا بہت بڑا

المیہ ہے لیکن یہ المیہ ہی انسان کا دوسرا نام ہے۔

میرے دل میں اب سارا غصہ افسردگی میں تبدیل ہو گیا ہے میں بہت ملول اور مغموم ہوں، جو کچھ میں نے دیکھا ہے اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس سے میری افسردگی مضاعف ہوتی جا رہی ہے۔ میری موجودہ زندگی مصائب سے پر ہے دن رات مشقت کرنے کے بعد بمشکل اتنا کماتا ہوں جو میری روزمرہ کی ضروریات کے لیے پورا ہو سکے۔ یہ تکلیف دہ احساس ہر وقت مجھے دیمک کی طرح چاٹتا رہتا ہے کہ اگر آج میں نے آنکھیں میچ لیں تو میری بیوی اور تین کم سن بچیوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ میں نخش نویس، دہشت پسند، سٹکی، لطیفہ باز اور رجعت پسند سہی لیکن ایک بیوی کا خاوند اور تین لڑکیوں کا باپ ہوں۔۔۔۔۔ ان میں سے اگر کوئی بیمار ہو جائے اور موزوں و مناسب علاج کے لیے مجھے دردر کی بھیک مانگنی پڑے تو مجھے بہت کوفت ہوتی ہے میرے دوست بھی ہیں جو مجھ سے زیادہ مفلوک الحال ہیں بروقت اگر میں ان کی مدد نہ کر سکوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے دینوی معاملات میں اگر میں کسی کا یا اپنا سر جھکا ہوا دیکھوں تو خدا کی قسم مجھے دکھ ہوتا ہے لیکن جب میں سوچتا ہوں اگر میری موت کے بعد میری تحریروں پر ریڈیو اور لائبریریوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور میرے افسانوں کو وہی رتبہ دیا گیا جو اقبال مرحوم کے شعروں کو دیا جا رہا ہے تو میری روح سخت بے چین ہوگی میں اس بے چینی کے پیش نظر اس سلوک سے بے حد مطمئن ہوں جواب تک مجھ سے روا رکھا گیا ہے خدا مجھے اس دیمک سے محفوظ رکھے جو قبر میں میری سوکھی ہڈیاں چاٹے گی۔



میں آج بہت افسردہ ہوں، جب میں اپنے گروہ پیش نبض شناسوں کو یہ کہتے سنتا ہوں کہ ادب پر جمود طاری ہو گیا ہے ادب انحطاط پذیر ہے ادب ایک تعطل میں گرفتار ہے یہ گفتار ”اسلام خطرے میں ہے“ کی گفتار یعنی سے ملتی جلتی ہے ادب قائم بالذات ہے جس طرح کہ اسلام ہے، قوت کبھی انحطاط پذیر نہیں ہوتی اس پر کبھی جمود یا تعطل طاری نہیں ہوتا ایٹم کی قوت اس کے انکشاف سے پہلے بھی موجود تھی، اور اس کے انکشاف کے بعد بھی موجود رہے گی اس کا غلط استعمال یا اس کے عدم استعمال کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ نحیف ہو گئی ہے جان بلب ہے یا مر گئی ہے۔

ادب اسی قوت اسی توانائی، اسی آب و تاب سے زندہ ہے جس طرح کہ وہ منصبہ شہود پر آنے سے پہلے زندہ تھا اس پر جمود اور تعطل طاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ ہمارا اپنا جمود اور تعطل ہے جسے ہم ادب کے جمود اور تعطل سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس بحران کے اسباب و علل چنانچہ ہمیں ادب میں نہیں خود اپنے اذہان میں ڈھونڈنے چاہئیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ادب کے مستقیم راستے سے ہٹ کر اگر ہم ادھر ادھر نکل جائیں تو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ راستہ ہمارے آگے سے ہٹ گیا ہے سیاست کا اپنا مقام الگ ہے اس تک پہنچنے کے لیے سیاست کے پیچ در پیچ راستوں پر گامزن ہونا بھی غلطی ہے۔

سوویت روس کے ادب کا لاکھ ڈھنڈو راپٹا جائے مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ دوغلی تحریریں جو وہاں لاکھوں ٹن کاغذوں پر چھپتی ہیں ادب نہیں ہیں، ہرگز نہیں ہیں

ادب، ادب ہے، یا کوئی اور شے ہے۔ جس کا ایک نمونہ روسی ادیبوں کی حالیہ تحریروں کی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

ادب پر کسی کی اجارہ داری ہوئی ہے نہ ہوگی یہ کوئی ایسا کام نہیں جسے ٹھیکے پر دے کر کر لیا جائے ”ادب پر جمود طاری ہے“ یہ ایک ڈھکوسلا ہے ”اسلام خطرے میں ہے“ کی قسم کا اسے کھڑا کرنے والے بھی وہی ہیں جو آج سے چند ماہ پیشتر مٹیوں پر چڑھ کر پکارتے رہے ہیں کہ ترقی پسند مصنفین نے تقسیم ہند کے بعد ادب کی لاج رکھ لی ہے غریب مر رہا تھا، مگر انہوں نے اپنا خون دے کر اسے زندہ کر دیا ہے۔۔۔۔۔ خیرت ہوتی ہے کہ اتنی جلدی ان کے گنتی کے چند ارکان کے مقید ہونے کے فوراً بعد ادب کی زندگی پھر کیوں خطرے میں پڑ گئی؟

میں آج بہت افسردہ ہوں۔۔۔ پہلے مجھے ترقی پسند تسلیم کیا جاتا تھا بعد میں مجھے ایک دم رجعت پسند بنا دیا گیا۔ اور اب فتوے دینے والے سوچ رہے ہیں اور پھر سے یہ تسلیم کرنے کے لیے آمادہ وہ رہے ہیں کہ میں ترقی پسند ہوں اور فتوؤں پر اپنے فتوے دینے والی سرکار مجھے ترقی پسند یقین کرتی ہے یعنی ایک سرخا۔۔۔ ایک کمیونسٹ، کبھی کبھی جھنجھلا کر مجھ پر فحش نگاری کا الزام لگا دیتی ہے اور مقدمہ چلا دیتی ہے۔ دوسری طرف یہی سرکار اپنی مطبوعات میں یہ اشتہار دیتی ہے۔۔۔۔۔ کہ سعادت حسن منٹو ہمارے ملک کا بہت بڑا ادیب اور افسانہ نگار ہے جس کا قلم گزشتہ ہنگامی دور میں بھی رواں دواں رہا۔۔۔۔۔ میرا افسردہ دل لرزتا ہے کہ قلمون مزاج سرکار خوش ہو کر ایک تمنغہ میرے کفن سے ٹانگ دے گی جو میرے داغ عشق کی بہت بڑی توبہن ہوگی۔

ہزارے کے بعد اب تک میں یہ کتابیں ترتیب وار آپ کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں ان سے آپ بطریق احسن میری دماغی کیفیات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

- 1 تلخ ہرٹش اور شیریں لذت سنگ
- 2 خالی باتیں، خالی ڈبے
- 3 سیاہ حاشیے
- 4 نمروہ کی خدائی
- 5 ٹھنڈا گوشت
- 6 بادشاہت کا خاتمہ
- 7

ان کے بعد افسانوں کا یہ تازہ مجموعہ پیش خدمت ہے اس میں صرف دو افسانے مطبوعہ ہیں ”یزید“ اور ”1919ء کی ایک بات“ باقی غیر مطبوعہ ہیں یہ مجموعہ کتنے عرصے میں لکھا گیا اور کتنے عرصے میں شائع ہو کر آپ تک پہنچا ہے یہ آپ کو متعلقہ تاریخوں سے معلوم ہو سکتا ہے مجموعے کا آخری افسانہ ”ممی“ لکھنا شروع کیا تھا کہ 16 اکتوبر کو خان لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان کے قتل کی خبر موصول ہوئی جس سے دماغ بہت مضطرب رہا اس کے بعد میری منجھلی پچی جیاجی تپ محرقہ میں مبتلا ہو گئی اس کے باعث بھی کئی دن پریشان رہا نتیجتاً اس افسانے کی تکمیل میں تعویق ہو گئی۔

سعادت حسن منٹو

لاہور 28 اکتوبر 1951ء

☆☆☆☆☆☆